IF: Cosmos Impact Factor: 3.527
ISSN 2320-6369, EISSN 2320-8910
IF: Global Impact Factor: 0.383

شبلی کی سیرت وسوانح نگاری کے امتیازات

ڈاکٹر منور حسین
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، خواجہ معین الدین چشتی لینگویج یونیورسٹی لکھنؤ۔ انڈیا

شبلی نعمانی اپنی سوانحی تصانیف کے ذریعہ ملک وقوم بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کی جو خدمت انجام دی ہے وہ قابل قدر ہے۔ انھوں نے اپنی سوا تصانیف کے ذریعہ بے حس اور پژمردہ قوم کے اندر زندگی کی تڑپتی ہوئی روح پھونک دی۔ ان کے زنگ آلود ذہن کو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت عطا کرنے ساتھ ہی ان کی قوت عملی کو توانائی بخشی۔ انھوں نے اپنی سوانحی تصانیف کے ذریعہ مسلمانوں کے اندر مشرقیت سے انسیت اور لگاؤ پیدا کیا اور مغربیت سے مرعوبی کے جذبات پر قدغن لگائی۔ ان کی سوانحی تصانیف نے مسلمانوں کی اصلاح وترقی ان کی فلاح و بہبود میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ ان میں اپنے گرتے ہو وقار کو عروج وبلندی عطا کرنے کی امنگ اور حوصلہ پیدا کیا۔

شبلی نعمانی اور الطاف حسین حالی یہ دونوں بزرگ سوانح نگاری کی عمارت کے ستون مانے جاتے ہیں۔ ان دونوں بلند پایہ سوانح نگاروں کی سوا نگاری میں جہاں تک موضوعات کا معاملہ ہے وہ یہ ہے کہ مولانا حالی کے سبھی موضوعات عام اور سہل ہیں لیکن ان کے مقابلے میں شبلی نعمانی کے موضوعات بہ کٹھن اور محنت طلب ہیں۔ شبلی نعمانی، مولانا حالی سے زیادہ تحقیق وتلاش، واقعات کی چھان بین، مواد کی ترتیب وتہذیب پر زور دیتے تھے۔ ناقدین ادب نے بھ اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ شبلی نعمانی کو اپنے موضوع کے مواد کی فراہمی کے لیے ہندوستان کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک کے بھی کتب خانوں کی خاک چھاننی پڑی ہے۔

شبلی نعمانی مغربی طرز کی سوانح عمریوں کی تحریر کے قائل تھے۔ انگریزی سوانح نگار مصنفین میں سے بعض کو تو وہ بہت پسند کرتے تھے مثلاً کارلائل کے خیالات شبلی نعمانی کے خیالات سے ہم آہنگ تھے۔ شبلی اور کارلائل کا موازبہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سوانح نگاروں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ تھامس کارلائل نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''ہیروائنڈ ہیروز ورشپ'' تھا اور اسی خیال کے تحت شبلی نے اپنی تصنیف ''ناموران اسلام'' تحریر کی۔ شبلی اور کارلائل دونوں تاریخ میں دلچسپی لینے کے علاوہ سیاست میں بھی انتہائی نظریوں کے حامل تھے، دونوں بڑے پایہ کے مورخ وادیب تھے، دونوں کی تحریروں میں تحقیق و تدقیق، منطقیانہ استدلال اور جوش بیان پایا جاتا ہے۔ دونوں ادنی اور چھوٹے سے چھوٹے انسان کی بھی سوانح نگاری کے قائل ہیں لیکن دونوں ہی نے کسی ادنیٰ اور عام آدمی کو اپنی سوانح نگاری کا موضوع نہیں بنایا۔ شبلی نے المامون، سیرۃ النعمان، الغزالی وغیرہ لکھی ہے اور کارلائل نے فریڈرک اعظم، عہد وکٹوریہ وغیرہ تحریر کیا ہے۔

شبلی نعمانی نے اپنی سیرت اور سوانح نگاری کو دو بنیادی مقصد کے تحت تحریر کیا ہے۔ ان کا پہلا مقصد یہ تھا کہ وہ کسی طرح ان غلط فہمیوں کو دور کریں جو کہ یورپی اور غیر مسلم مصنفین نے اپنی تحریروں کے ذریعہ مذہب اسلام اور بزرگارن دین کے خلاف پھیلا رکھی تھیں۔ انھوں نے ان کا جواب انھیں کی زبان میں دینے کے لیے قلم کا سہارا لیا اور سوانح نگاری کو وسیلہ بنایا۔ ان کی سوانح نگاری کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے شکست خوردہ ہندوستانی مسلمانوں کو ان کے اسلاف اور پیشوایان دین کی داستان عظمت سنا کر احساس کمتری کو دور کرنا چاہتے تھے۔

ان کی سیرت اور سوانحی تصانیف میں المامون، سیرت النعمان، الغزالی، الفاروق، سوانح مولانا روم، سیرت النبی قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف مضامین وان کی مشہور کتاب ''شعر العجم'' میں دو درجن سے زیادہ علما و شعرا کے مختصر سوانح حیات بھی لکھے ہیں۔

شبلی نعمانی کی سیرت و سوانح نگاری کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

۱۔ مقصدیت:

انھوں نے جتنی بھی سوانح عمریاں لکھی ہیں کسی نہ کسی مقصد کے تحت تحریر کی ہیں۔ محض عقیدت کے لیے کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔ ناموران اسلام کا سلسلہ انھوں نے دو مقصد سے شروع کیا تھا۔ ایک یہ کہ غدر (۱۸۵۷ء) کے بعد مسلمانوں پر جو ایک مایوسی اپنے کارناموں کے بے وقعتی کا احساس پیدا ہو رہا تھا اسے ان کے اسلاف کے کارناموں کو پیش کر کے رفع کیا جائے اور دوسرے یہ کہ اردو زبان جو مستقبل میں قومی زبان کی حیثیت اختیار کرنے والی تھی اس میں ادب العالیہ کا اضافہ کیا جائے۔ ان کی کتاب سوانح مولانا روم، الغزالی، الفاروق، النعمان کے مقدموں اور دیباچوں میں ان کی اس مقصدیت کی جھلک صاف صاف نظر آتی ہے۔ انھوں نے سیرت کی کتابوں کو بڑے والہانہ عقیدت مندی کے ساتھ تحریر کیا ہے لیکن اس والہانہ عقیدت مندی میں بھی انھوں نے مقصدیت کو برقرار رکھنے کی بھی کوشش کی ہے۔

۲۔ پس منظر اور پیش منظر:

شبلی نے اپنی سیرت اور سوانحی کتابوں میں جس شخصیت کے حالات کا تذکرہ کیا ہے اس کے ذاتی حالات و واقعات بیان کرتے ہوئے ان کے پس منظر اور پیش منظر دونوں کو سامنے رکھا ہے۔ وہ ماضی پر سیاسی، تمدنی اور معاشرتی حیثیت سے بھی بحث کرتے ہیں اور واقعات کے علم و اسباب کی تلاش بھی کرتے ہیں۔ ان کی غلطیوں کی پردہ دری بھی کرتے ہیں اور بعض چھپی ہوئی حقیقتوں سے پردہ بھی اٹھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ وہ خود ''الفاروق'' کے مقدمے میں یوں تحریر کرتے ہیں کہ ''تاریخ کے لیے دو باتیں لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلمبند کیے جائیں یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور سبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے''۔

۳۔ محنت و جستجو:

محنت و جستجو اور عالمانہ تحقیق و تفتیش شبلی نعمانی کی سب سے اہم خصوصیت رہی ہے جو ان کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ ان کی تقریباً ہر کتاب بالخصوص ''سیرۃ النعمان'' میں ان کی اس محنت و جستجو کا رنگ نظر آتا ہے۔ وہ کتاب سے متعلق مواد کی فراہمی کے لیے مشکلات سے دوچار ہونا بھی گوارا کر لیتے ہیں۔

۴۔ ایجاز و اعتدال:

ایجاز و اعتدال کی خصوصیت شبلی نعمانی کی تقریباً ہر کتاب نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ اعتدال کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتے، خاص طور پر جب وہ کسی کی تعریف یا تنقیص پر آجاتے ہیں تو یہ چیز اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے۔ چنانچہ ''شعر العجم'' (بعض شعرا و علما کے حالات قلم بند کرتے وقت)، ''المامون'' (اس زمانے کے علما و فضلا کا تذکرہ کرنے میں) اور ان کے مکاتیب (شخصیات کے حالات کا تذکرہ کرتے وقت) میں یہ چیز کافی نمایاں نظر آتی ہیں۔

۵۔ انشا پردازی:

اگر ادبی کتاب لکھی جائے تو اس میں حسن تحریر اور لطف پیدا کرنا آسان ہوتا ہے کیوں کہ اس میں تخیل سے اور کسی حد تک مبالغہ آرائی سے کام لینے کی گنجائش ہوتی ہے لیکن سیرت اور سوانحی تصانیف میں لطف و حسن کو باقی رکھنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ کیوں کہ اس میں واقعات کا اظہار و بیان ہی مقصود ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ ایک شخص کے مختلف پہلوؤں کو ہی بیان کیا جاتا ہے لہذا ان تمام مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے طرز تحریر اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ شبلی نعمانی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی سوانح نگاری میں حسن انشا و لطف تحریر کو برقرار رکھا ہے جس کا اعتراف سرسید نے ان کی کتاب ''المامون'' کے دیباچہ میں

Urdu Scholars Ki Duniya- International Refereed Journal for Urdu
IF: Cosmos Impact Factor: 3.527
ISSN 2320-5369, EISSN 2320-8910
IF: Global Impact Factor: 0.383

کیاہے۔لطف زبان کے سلسلے میں ان کی سیرت کی ظہور قدسی اور الفاروق کی وہ عبارت جوانھوں نے حضرت عمر کے بیت المقدس کے وقت لکھی ہے،اہمیت کی حامل ہے اور اس سے ان کی انشاپردازی کا اندازہ ہوتا ہے۔اس کے علاوہ بھی ان کی سیرت اور سوانحی کتابوں میں انشاپردازی کے نمونے جابجا نظر آتے ہیں۔

۶۔شخص پرستی:

مولانا حالی اور شبلی نعمانی کی سوانح نگاری کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ حالی نے اپنی سوانح نگاری میں شخصی حالات پر اتنا زور نہیں دیا ہے جتنا شبلی نعمانی نے دیا ہے۔بقول آل احمد سرور، حالی کے نزدیک شخص اہم ہی نہیں ہوتا تھا، حیات سعدی، یادگار غالب اور حیات جاوید تینوں میں زور شخصی حالات پر نہیں، کاموں اور ان کی تفصیل پر ہے۔غالب کی زندگی کے حالات لکھے وقت، قوم سے معافی مانگنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔یادگار میں انھوں نے غالب کی شخصیت کی ایک دلکش اور زندہ تصویر پر اکتفا کی ہے، واقعات کی تفصیل سے گریز کیا ہے۔شبلی اس لحاظ سے زیادہ شخص پرست تھے وہ کارلائل سے زیادہ متاثر تھے اور تاریخ کو مشاہیر کی سوانح عمری سمجھتے تھے اور تاریخ کو اسباب ونتائج کا ایک سلسلہ بھی سمجھنے لگے تھے،لیکن شخص پرستی سے وہ کبھی بھی آزاد نہ ہوسکے۔

مذکورہ خصوصیات کے علاوہ ان کی بعض تصانیف میں یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ وہ اخذ نتائج اور استدلال میں عجلت کرتے نظر آتے ہیں یا غلطیوں سے دوچار ہوجاتے ہیں اور اسی طرح ''سیرۃ النبی'' کے علاوہ دیگر کتابوں میں بسا اوقات اسلامی حمیت، قومی حمیت کے مقابلے میں مغلوب نظر آنے لگتی ہے۔چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مامون، ہارون اور عبدالملک ان سب کو وہ ناموران اسلام میں شمار کرتے ہیں۔ان کی سوانح کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ اس میں قومی جذبہ اسلامی جذبہ کے مقابلے میں زیادہ نمایاں ہے البتہ آخر میں شبلی کا یہ جذبہ بدل گیا تھا اور قومی حمیت، اسلامی حمیت کے تابع ہوگئی تھی اور انھوں نے اپنی اس تبدیلی کا اظہار اپنے متعدد خطوط میں کیا بھی ہے۔

مزید معلومات کے لیے کتب:

حیات شبلی	سید سلیمان ندوی
مطالعہ شبلی	شجاعت علی سندیلوی
شبلی نامہ	شیخ محمد اکرام
شبلی شناسی	شفیق اشرفی
معارف، شبلی نمبر	دارالمصنفین اعظم گڑھ

☆☆☆

سبق اردو

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر: ڈاکٹر محمد سلیم | سرپرست سرورق: عادل منصوری | جلد ۸، شمارہ ۲ | فروری ۲۰۲۳

موبائل: 9919142411 | سرورق: دانش الہ آبادی | Net Banking:SABAQ -E-URDU(MONTHLY)

واٹس ایپ: 9696486386 | کمپوزنگ: دانش الہ آبادی، عادل عمر | IFSC BARB 0 GOPI BS A/C28240200000214

sabaqeurdu@gmail.com | مطبع: سبق پرنٹنگ پریس، منصوری ہاؤس، گوپی گنج، بھدوہی | Bank of Baroda, Branch: Gopiganj

فی شمارہ: 200/- سالانہ: 1000/- زرتعاون خاص: 2000/- تاحیات زرتعاون: 5000/- | Gopiganj-221303,Dist.Bhadohi,UP,INDIA

کسی بھی تحریر سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ کسی بھی تنازعہ کی صورت میں ... عدالت میں ہوگی۔ ادارہ

چیف ایڈیٹر
دانش الہ آبادی

پروفیسر عین اللہ، نئی دہلی	خواجہ محمد اکرام الدین: گلوبل دنیا میں اردو زبان کے لیے	۶
ماریہ اسلم اور	خواجہ محمد اکرام الدین کی کتاب ”اردو زبان و ادب کے لئے تکنیکی وسائل اور امکانات“ ایک جائزہ	
ڈاکٹر صدف نقوی		۱۰
ڈاکٹر محمد رکن الدین	مشاہدات	
ڈاکٹر محمد رکن الدین	سفیر اردو پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین شخصیت اور خدمات: ایک جائزہ	۱۸
انوار الحق	کوثر مظہری کی کتاب ”قرأت اور مکالمہ“ ایک مطالعہ	۲۳
ڈاکٹر نیلوفر فردوس	”کڑوے کریلے“ ایک مطالعہ۔ موجودہ سماجیات کے تناظر میں	۲۶
ڈاکٹر عبدالواحد	اسلوب احمد انصاری کی خاکہ نگاری	۳۰
دمن کمار	”گفتہ وعشق“ ایک مطالعہ	۳۲
ڈاکٹر اشتیاق احمد ملک	کشمیری غزل: ابتداء سے موجودہ تک	۳۵
مبارک لون	اردو شاعری کا سماجی سروکار: ایک جائزہ	۳۷
ذکیہ الرحمن	ماہر سلیم خان: موت سے بھی ختم جس کا سلسلہ ہوتا نہیں	۳۹
بشریٰ رحمن	سائنس: خالق کائنات کا تعارف	۴۲
ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی	کلام اقبال میں حب وطن	۴۵

پریشانیوں، خوش حالیوں، مجبوریوں وغیرہ وغیرہ ہر نقطے پر گہری نظر رکھی اور انھیں اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ اس سلسلے میں ممتاز آرا یوں رقمطراز ہیں:

"بلونت سنگھ نے دیہی زندگی کے ساتھ ساتھ شہری زندگی اور اس کے مسائل کو بھی اپنے افسانوں میں بڑی چابکدستی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ شہری دنیا مادی طور پر دیہات کی دنیا سے زیادہ ترقی یافتہ اور خوشحال سہی لیکن اس معاشرے میں بھی افراد کی زندگی جذباتی اور اقتصادی سطح پر مسائل کی گرفت سے آزاد نہیں ہے۔ شہری زندگی کے مسائل بھی بڑے سنگین ہیں۔ یہاں بھی آدمی بے روزگاری کے بوجھ تلے دبا ہوا پریشان حال ہے۔ یہاں کلرک، مزدور، بیوپاری، وکیل، افسر، لیڈر، چور، طوائف بھی ہیں، اور ان سب سے جڑی ہوئی طبقاتی کشمکش ہے اور سب سے بڑھ کر لاتعلقی اور اجنبیت کا زہر ہے جو رفتہ رفتہ انسان کی شخصیت کو کھوکھلا کرتا جا رہا ہے۔"[۱۲]

شہری زندگی کی عکاسی کرتے ہوئے بلونت سنگھ نے نہ صرف متوسط اور ادنیٰ طبقے کے ہی مسائل کی طرف زیادہ توجہ دی۔ "دیمک"، "سمجھوتہ"، "لمحے" اور "بازگشت" جیسی کہانیاں اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ جن میں بلونت سنگھ کے گہرے مشاہدے اور گہرے مطالعے کا ثبوت ملتا ہے۔

ان کی زبان بھی رواں دواں ہے۔ ان کے یہاں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں پائی جاتی۔ وہ کردار کے داخلی اور خارجی دونوں محرکات پر زور دیتے ہیں۔ ان کی طرز تحریر روزمرہ بولی جانے والی عام بول چال پر مبنی ہے۔

بلونت سنگھ افسانے کے فن سے اچھی طرح واقف ہے۔ ان کے افسانوں کی واضح شناخت ان کا کہانی پن ہے۔ ماحول کی پیشکش اور جذبات نگاری کے ساتھ ساتھ وہ حقیقت نگاری کے فن سے بھی واقف ہے۔ وہ نہ کسی غیر ضروری بات کو طول دینے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ کسی اہم بات کو نظر انداز کرتے ہیں۔ بلونت سنگھ کے تمام افسانے حقیقت پسندی پر مبنی ہیں۔ وہ لگ بھگ تمام افسانوں میں دیہاتی زندگی کی تصویر کشی کرتے نظر آتے ہیں۔

لہذا ان تمام بیانات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بلونت سنگھ ایسے افسانہ نگار ہے جنھوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے آزاد پنجاب کی تصویر اتار کر رکھ دی۔ یہ تصویر متحرک بھی ہے اور رنگا رنگ بھی۔ اس میں پنجاب کی دھرتی کی بو باس بھی ہے اور جدید رجحانات کی غمازی بھی۔ اردو افسانہ کی دنیا میں بلونت سنگھ کی جگہ ہمیشہ محفوظ رہے گی۔

ریسرچ اسکالر سینٹرل یونیورسٹی کشمیر

E m a i l :
khursheedrw786@gmail.com

افسانہ "ننھی کی نانی" کا فنی مطالعہ

ڈاکٹر منور حسین

مقدمہ

عصمت چغتائی کا شمار بیسویں صدی کی ان عظیم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے افسانوں میں اپنے ہی سماج و معاشرے کے موضوعات کو پیش کیا ہے۔ ایک ایسا سماج جو دنیا کی نظر میں باعزت اور محترم سمجھا جاتا تھا مگر چہار دیواری کے اندر تعفن، پراگندگی، جنسی استحصال اور عزت کے نام پر بدکرداریاں تھیں۔ ایسے ہی سماج کی چلتی پھرتی تصویریں ان کے افسانوں میں سانس لیتی نظر آتی ہیں۔ ان کا اسلوب معاشرتی ناہمواریوں پر نشتر زنی کرتا ہے مگر ساتھ ہی رومان کی ایک زیریں لہر بھی چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے جو جنس کے کریہہ چہرے پر ایک خوشگوار اور خوبصورت نقاب ڈال دیتی ہے۔ ان کے افسانوں میں ایک افسانے کا نام "ننھی کی نانی" ہے جس میں معاشرے کی ناہمواری اور جنس کیکر یہ منظر کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور ایک غریب و بے سہارا سن رسیدہ عورت کی پوری زندگی اور سماج و معاشرے کی تصویر پیش کی گئی ہے جو حقیقت پر مبنی نظر آتی ہے۔ ننھی کی نانی کی کہانی ایک کردار کے گرد گھومتی ہے جو اس کی محرومیوں، ناکامیوں اور مجبوریوں کی داستان غم سناتی ہے۔ اس افسانے میں نانی کا کردار ایک ایسی عورت کی غمازی کرتا ہے جو زندگی کے ہزار تھپیڑے کھانے کے باوجود زندہ رہتی ہے اور ابتدا سے ہی ایسی بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور نظر آتی ہے۔ افسانہ "ننھی کی نانی" سب سے پہلے رسالہ "نقوش" میں جنوری ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد "ساقی" رسالے میں ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۶ء میں "گفتگو" رسالے کی زینت بنا۔ عصمت چغتائی کے سات افسانوی مجموعے منظر عام پر آئے لیکن "ننھی کی نانی" عصمت کے کسی بھی افسانوی مجموعے میں شامل نہیں ہے۔ اس مقالے میں مذکورہ افسانے کے فنی پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

افسانے کا پلاٹ

مختصر افسانے کے اجزائے ترکیبی میں پلاٹ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور افسانے میں جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس میں ترتیب کا خاص خیال رکھنا جاتا ہے جس سے افسانہ آگے بڑھتا ہے اور اسی کا نام پلاٹ ہے۔ "ننھی کی نانی" فنی اعتبار سے ایک مکمل کہانی ہے ابتدا ہی سے کہانی قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور کہانی کا انجام چونکا دینے والا ہے۔ اس کہانی کا پلاٹ سیدھا سادہ ہے جو حالات و واقعات اور حادثات کے سہارے بتدریج مکمل ہوتا ہے۔ عصمت چغتائی کا افسانہ "ننھی کی نانی" کا پلاٹ ایک ایسی بدنصیب بوڑھی عورت کی کہانی سے آغاز ہوتا ہے جس نے بچپن سے بڑھاپے تک گھروں میں کام کاج کرکے اپنی زندگی گزاری اور بیٹی کے مرنے کے بعد اپنی نواسی کی پرورش کی تھی۔ دنیا کا کوئی دکھ، کوئی ذلت اور بدنامی ایسی نہ تھی جو حالات

UGC CARE LISTED JOURNAL,ISSN-2321-1601

سے نانی کو دھتکار دیتی ہو۔ یہ حالت ہے کہ بھی گھر کی کام کاج اتار دینے کے بعد بھیک مانگ کر گزر اوقات کرنے لگیں۔ وہ اپنے قول و فعل کے اعتبار سے ٹھگ، چور، چٹ باز کہلاتی تھیں۔ جب لوگ نانی کے بھیک مانگنے کو نظر انداز کرنے لگے تو بھوک آدمی کی خاطر انھوں نے نواسی کو اپنے آبائی پیشے یعنی اوپر کے کام پر ایک صاحب کے یہاں لگا دیا جنھوں نے اس کی عزت لوٹ لی۔ بڑے صاحب کا معاملہ تھا اس لیے وہ اپنی جان کو صبر کر کے بیٹھ گئی۔ اس واقعہ کے بعد نھی بچی سے لڑکی نہیں بلکہ چھلانگ مار کر عورت بن گئی۔ چند ہی سال میں نھی کی جوانی نے محلے والوں کا ناطقہ بند کر دیا اور ایک دن وہ صدیق پہلوان کے بھانجے کے ساتھ بھاگ گئی۔ اس خبر سے نانی پر جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ محلے کے لوگ بھی طرح طرح سے اسے چھیڑنے لگے۔ وہ نانی کے ازلی دشمن ہو گئے تھے۔ نانی کو اپنا تکیہ بہت عزیز تھا۔ اوڑھنے بچھانے، سرہانے کرنے اور تکیہ بنانے کے علاوہ جب نانی کبھی نہاتی تو اسے تولیے کے طور پر استعمال کر لیتی تھی۔ نانی محلے کے کتوں سے پریشان رہتی تھی اور بندر بھی ان کی ناک میں دم کیے ہوئے تھے۔ انھیں نانی سے کچھ ذاتی پرخاش ہو گئی تھی لہذا ایک دن موقع پا کر بندر نانی کا تکیہ لے کر بھاگ گئے۔ نانی خوب چلائی اور اتنا زور زور سے چلائی کہ محلے کے سارے لوگ اکٹھا ہوئے۔ بندروں نے غلاف پھاڑ کر تکیے سے ایک ایک چیز نکالنے لگے تو اس کے اندر سے ہوتے کا انگوچھا، حسینہ بی کی انگیا، خیراتی کا کچھا، بخشی کا مفلر، ابراہیم کی آستین، صدیق کا تہمد کا ٹکڑا، آمنہ بی کی سرمہ دانی، بیگنہ بی کی ڈبیہ، ملاجی کی تسبیح کا امام، بشیر خاں کا کلٹ کا تمغہ اور کلا میں بندھی ہوئی نھی کی پہلی سالگرہ کی ہلدی کی گانٹھ اور چاندی کا چھلا نکلا۔ یہ تمام چیزیں نانی کی کائنات تھی۔ نانی کا ماضی تھا، یادیں تھیں جو مردوں سے اس کی رشتے کی کہانی بھی دہرا رہی تھی۔ بسم اللہ اور اس کی لڑکی نھی سے محبت کا اقرار کر رہی تھی لیکن لوگ چوری کا سامان سمجھ رہے تھے۔ چاروں طرف سے آوازیں آ رہی تھیں "چور، بے ایمان، کمینی، نکالو بڑھیا کو محلے سے! پولیس کو دے دو وغیرہ" نانی کے چیخنے چلانے کی آواز ایک دم رک گئی۔ رات بھر دونوں گھٹنے پیٹوں میں دابے وہ ہل ہل کر بھی سوکھی ہچکیاں لیتی رہی اور اپنے ماں باپ، میاں، بیٹی اور نواسی کو پکار پکار کر بین کرتی رہی۔ آخر کار اس حالت میں اکڑوں بیٹھی نانی تیسرے دن دنیا کو ایک مستقل گالی دے کر چل بستی ہے۔ اکڑوں بیٹھے اکڑے ہوئے جسم میں ہی اسے دفنا دیا جاتا ہے۔ اور یہیں پر کہانی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

کہانی کا پلاٹ اس طرح چلتا ہے کہ قاری مجذوب ہو کر تجسس میں رہتا ہے کہ اب اس کے آگے کیا ہونے والا ہے اور ساتھ وہ خود کو بھی اسی کہانی کا حصہ سمجھنے لگتا ہے اور یہی اس افسانے کی طاقت ہے جسے مصنف نے بڑی فن کاری سے پلاٹ کے تحت پرکشش زبان و بیان کے ساتھ بیان کیا ہے۔

کردار نگاری

افسانے میں کردار پلاٹ سے کم اہم نہیں ہوتے افسانے میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ کسی نہ کسی کردار کے سہارے ہی پیش آتے ہیں اس لیے افسانے میں کردار نگاری کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ نھی کی نانی ایک ایسی بے سہارا عورت ہے جس کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس بات کو افسانہ نگار نے نانی کو کوئی نام نہ دے کر ظاہر کیا ہے اور وہ بلاغت کی لونڈیا، بشیرے کی بہو، بسم اللہ کی ماں اور نھی کی نانی کہہ کر پکاری جاتی ہے۔ نھی کی نانی کے ساتھ سب سے [illegible] مسئلہ زندہ رہنے کا تھا جس کی جد و جہد کی فضا کہانی میں شروع سے آخر تک رہتی ہے۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے چکر میں کبھی اوپر کا کام کیا، کبھی [illegible] کبھی [illegible] گیری کی اور کبھی بھیک مانگی اور جب وہ بھی نہ ملی تو چوری کی اور [illegible] اور چٹ باز کہلائی۔ نانی شادی بیاہ، چالیسواں، [illegible] تبرکات وغیرہ سے سامان بھر کر لاتی تھی سنبھال کر تکیوں میں محفوظ کر لیتی تھی اور بھوک لگنے پر سوکھے ہوئے ٹکڑوں کو پانی کا چھینٹا دے کر پیٹ کی آگ بجھاتی تھی۔ کردار نگاری کے لحاظ سے "نھی کی نانی" بہترین اور اعلیٰ درجہ کا افسانہ قرار دیا جا سکتا ہے کیوں کہ افسانہ نگار نے نھی کی نانی کے کردار کو جس زاویوں اور پہلوؤں [illegible] کاری، متانت، سنجیدگی، باریک بینی سے پیش کیا ہے اس سے نھی کی نانی کا کردار مکمل طور پر ہماری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ عصمت نے اس کردار کے تعلق سے حرکات و سکنات، اعمال و افعال، عادات و اطوار، پسند و ناپسند، حیلہ بازی، فریب کاری، خوش کلامی اور بدکلامی کو اس خوبصورتی اور فطری طور پر افسانے میں پیش کیا ہے کہ نھی کی نانی کی شخصیت کے تمام پہلوؤں سے نقاب کشائی ہو جاتی ہے۔

تکنیک اور اسلوب بیان

اس افسانے کی کہانی حقیقت کے اتنی قریب ہے کہ سچی معلوم ہوتی ہے۔ حالات و واقعات کا شکار ہونے اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے طرح طرح کے جتن کرنے کے علاوہ جنسی استحصال کو افسانہ نگار نے مختلف زاویوں سے پیش کیا ہے۔ کہانی میں جانوروں کی خصلتوں کا بھی بیان ہے۔ بندروں کی ایک فطری حرکت سے کہانی میں نیا موڑ آتا ہے اور وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ بندروں کے ذریعہ ادھیڑتے ہوئے تکیے سے جو چیزیں برآمد ہوتی ہیں وہ نانی کی زندگی کی کہانی دہراتی ہیں۔ ان کے شوق اور ان کے سماجی رشتوں پر روشنی ڈالنے کے علاوہ مردوں کی بوالہوسیوں کی ایک ایک کر کے نشانیاں سامنے لاتی ہیں اور جیسا عام طور پر ہوتا ہے کہ جو نہیں ہے وہ ہے یا جو ہے وہ نہیں ہے۔ لوگ نھی کی نانی کی یادوں میں چھپی مجبوریوں کو چوری سمجھ کر اسے چور اور کمینی قرار دیتے ہیں اور راز افشاں ہو جانے کے صدمے سے نانی مر جاتی ہے اور اکڑوں بیٹھی حالت میں اکڑے جسم کے ساتھ دفنا دی جاتی ہے۔ یہاں بھی نھی کی نانی کی بدنصیبی دیکھیے کہ مرنے کے بعد بھی وہ فطری انداز میں دفنائی بھی نہ جا سکی اور اس طرح پر کہانی کو ختم کر دی جاتی ہے۔ تکنیکی اعتبار سے بھی یہ کہانی افسانہ نگار کے فن کے اعلیٰ نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

عصمت کے افسانوں میں انداز بیان کی بے باکی، جملوں کا برجستہ استعمال، اشارے، کنائے اور برمحل محاورے ان کے اسلوب کو انفرادیت بخشتے ہیں۔ ان کا قلم، زبان اور مزاج تینوں تیز ہیں وہ افسانے میں فقروں کی نشست و برخاست اور رعنائی کو ملحوظ خاطر رکھتی ہیں۔ ان کے اکثر افسانوں کے آخری جملے یا فقرے بجلی کو کوندے کی طرح لپک کر سارے افسانے کی نبض کو روشن کر جاتے ہیں اور قاری پر اس کی تمام پرتیں کھل جاتی ہیں اور وہ حیرت و اضطراب میں گم ہو جاتا ہے جیسا کہ زیر تبصرہ افسانے "نھی کی نانی" میں آپ کو نظر آتا ہے۔ بیچ بیچ میں کہانی کار اپنے تجربوں اور مشاہدوں کی آنچ سے اپنی

مرضی کے مطابق باتوں کو پھیلا کر پیش کرتا ہے اور اختصار کہانی کا حسن ہے۔ اشاروں کنایوں میں بڑی بڑی باتوں کی طرف کہانی کار نے ہماری توجہ مبذول کرائی ہے۔ بیانیہ پر مصنفہ کو عبور حاصل ہے انھوں نے اپنے مخصوص نسوانی انداز میں چیزوں کو بیان کیا ہے۔ ان کے اسلوب کی ایک خوبی یہ ہے کہ کردار کے مکالموں کی زبان کے ذریعہ اپنے بیانیہ کو سنبھالتی ہیں جو ہمیں تاثر کے جال میں باندھے رکھتا ہے۔ عورت کی کہانی عورت کی زبانی بیان ہونے سے بھی، افسانہ میں نسوانی لہجہ غالب آ گیا ہے۔ یہ عصمت چغتائی کے اسلوب کی پہچان بھی ہے۔ وہ اس کہانی میں اپنے مخصوص انداز میں نظر آتی ہیں ان کے اسلوب کی سب سے اہم خصوصیت اس کا لہجہ ہے وہ عورتوں کی محاوراتی زبان میں باتیں کرتی ہیں اور موقع و محل کے مطابق کرداروں میں ڈھل جاتی ہیں۔ ننھی کی نانی کی زبان چہار دیواری کے اندر رہنے والی مسلمان عورت کی مخصوص زبان ہے۔ مثلاً ''کنگروں دار فیشن ایبل برقع کی ٹوپی ان کی ٹھوڑی پر چپکی رہتی، آگے چاہے مہین کرتے کے نیچے بنیان نہ ہو''، ''چند ہی سال میں ننھی کی چوکھی سے محلہ لرز اٹھا''، ''دو تین دن سے ٹھوڑی چپ چاپ سی تھی''، ''خانگی نے اب آنگن بھی پلید کرنا شروع کردیا''، ''کڑک مرغی کی طرح نانی پر پھیلائے اسے پونے سکے دابے رہتیں''، ''نو برس کی ننھی چوزہ ہی تو تھی''، ''ننھی بچی سڑکی نہیں بلکہ چھلانگ مار کر ایک عورت بن گئی''، ''سہاگ کی چوڑیوں پر پتھر گرا دیا''۔

مذکورہ تمام مطالب کو مد نظر رکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عصمت چغتائی نے اپنے افسانوں میں بیسویں صدی کے متوسط طبقے اور مسلم گھرانوں کی خواتین کی روحانی، جذباتی اور جسمانی کیفیات کا اس شدت تاثر کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قاری خود کو ان کرداروں کے درمیان چلتا پھرتا محسوس کرتا ہے۔ انھوں نے بڑی بے باکی اور سچائی سے نچلے اور نچلے متوسط طبقے کی بالخصوص عورتوں کے مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔ افسانہ ''ننھی کی نانی'' اور اس میں موجود کردار کی خوبی یہ ہے کہ عصمت نے حقیقت کو افسانہ بنانے میں حقیقت سے کام لیا ہے۔ اس افسانے کو پڑھتے وقت قاری تصنع و تکلف سے روبرو نہیں ہوتا ہے بلکہ قاری کو ایک ایسے حقیقی کردار سے شناسائی حاصل ہوتی ہے جس کو پڑھ کر لگتا ہے کہ یہ ہمارے بالکل بیچ کا کردار ہے، ہمارے گھر محلے اور سماج کا کردار ہے جس کو عصمت نے اپنے فن کی ہنرمندی اور قلم کی توانائی سے ایک دلچسپ کردار بنا دیا ہے۔ ایک غریب مجبور اور بے سہارا بدنصیب بوڑھی عورت کے ساتھ جو کچھ ہو سکتا ہے سب اس کہانی میں موجود ہے۔ اس کی بھرپور عکاسی ہی کہانی کی عظمت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ عصمت چغتائی کو اظہار پر قدرت حاصل تھی اور انھوں نے اپنے اسلوب میں ساختگی اور برجستگی لا کر اس میں چار چاند لگائے ہیں۔ ان کا انداز بیان منفرد ہے اور یہی وجہ ہے کہ اردو افسانے کی تاریخ کا وہ ایک اہم حصہ ہیں اور مذکورہ افسانہ چونکہ تمام فنی تقاضوں کو پورا کرتا ہوا نظر آتا ہے اس لیے یہ اردو افسانہ نگاری میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

Dr. Munawwar Husain
Assistant Professor Department of Urdu
Hardoi -KMC, Language University, Sitapur
Road Lucknow 226013

عربی ادب میں سوانح نگاری کا آغاز اور ارتقاء

بلال احمد بیگ

عربی ادب میں سوانح نگاری کا فن گرانقدر اہمیت کا حامل ہے، آج یہ فن دنیا کی تمام زبانوں میں عظمتوں کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ ہر زبان والے اس فن کے ذریعہ نابغہ روزگار شخصیات کو منظر عام پر لانے کی کوشش کرتے ہیں، فن سوانح نگاری کے ذریعہ اہم شخصیات کو جانا جاتا ہے۔ عربی زبان و ادب میں بھی اس فن پر خصوصی توجہ دی گئی، امت مسلمہ روز اول ہی سے اس فن کو متعارف کرانے میں پیش پیش رہی سب سے پہلے انہوں نے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو نہایت مستند ذرائع سے قلمبند کیا، آج سیرت نبی کی مختلف کتابوں میں مستند اسناد کے توسط سے سرور کائنات نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر اظہار کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ فن ارتقائی مراحل طے کرتا گیا، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اہم لوگوں کے حیات و کارناموں پر روشنی ڈالی گئی۔

عربی ادب میں سیرت و سوانح کے لئے استعمال کی جانے والی اصطلاح کا سراغ لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''سیرۃ'' اور ''ترجمہ'' دونوں کا مفہوم ''سوانح حیات'' ہوتا ہے۔ عربوں کے یہاں فرد کی تاریخ نے مختلف شکلیں اختیار کی تھیں جن میں اولین شکل ''سیرۃ'' کی تھی۔ سیرت کا لفظ سار، یسیر، و سیراً سے نکلا ہے جس کے معنی: ۱۔ جانا، روانہ ہونا۔ ۲۔ طریقہ و مذہب ۳۔ سنت ۴۔ ہیئت۔ ۵۔ حالات۔ ۶۔ کردار۔ ۷۔ کہانی۔ ۸۔ خصوصیت کے ساتھ آنحضور ﷺ کے مغازی کا بیان۔ ۹۔ آخر میں آپ ﷺ کے پورے احوال کا بیان (۱)

سوانح نگاری کا فن اور اس کا ابتدائی سرمایہ عربی زبان میں پہلے سے موجود ہے۔ سوانح کی اہم اور قدیم ترین شاخ سیرت نگاری ہے، یہ اصلاً حضور ﷺ کی حیات مبارکہ سے متعلق ہے مسلمانوں نے فن سوانح نگاری میں سب سے پہلے اسی شعبے کو فروغ دیا، مغازی اور شمائل یہ دونوں اصناف بھی سیرت کے ساتھ ظہور میں آئیں، مسلمانوں میں سوانح نگاری کا رجحان سب سے پہلے حدیث کی وجہ سے ہوا کیونکہ حدیث کے راویوں کے صحیح حالات جمع کرنا اور ان کی پرتال کرنا حدیث کی صحت کے لئے ضروری تھا اسی طرح علماء حدیث نے ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد کی سوانح کو جمع کیا۔ اس سے اشخاص کی زندگی سے رغبت کی تحریک پیدا ہوئی۔ اس فن کو ''اسماء الرجال'' کہتے ہیں۔ اسکی مثال دوسرے اقوام کے یہاں نہیں ملتی ہے (۲)۔

اسلامی سوانح نگاری میں سیرۃ النبی ﷺ کو سب سے قدیم اور وسیع تصور کیا جاتا ہے۔ مؤرخوں اور ادیبوں نے اس کی طرف ابتداء میں توجہ دی۔ سیرت النبی ﷺ کے ساتھ ساتھ علوم حدیث کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ رسول